مولانا سید ابوبکر غزنوی

عصرِ حاضر میں
اُستاد اور شاگرد کا رشتہ

آیئے ہم غور کریں کہ عصرِ حاضر میں استاد اور شاگرد کے رشتے میں کیا گرہیں پڑ گئی ہیں۔ ان گرہوں کی واضح طور پر نشان دہی کریں۔ یہ دیکھیں کہ الجھاؤ کہاں کہاں ہے اور عقدہ کشائی کی صورت کیا ہے؟ رشتے میں بگاڑ کیوں پیدا ہوا۔ اور اسے از سرِ نو استوار کرنے کی کیا تدبیر کی جا سکتی ہے؟

مادیت سے جہاں ہماری اور بہت سی اخلاقی اور روحانی قدریں برباد ہوئی ہیں استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی اس سے متاثر ہوا۔ یہ ایک المیہ ہے کہ جو رشتہ محبت و تعظیم کا رشتہ تھا۔ یہ رشتہ جو تعلق خاطر کا رشتہ تھا۔ کاروباری سطح پر آ گیا ہے جب ماحول مادیت سے متاثر ہو تو شاگرد کی منطق یہ ہوتی ہے کہ میں فیس ادا کرتا ہوں اس لئے مجھے حق ہے کہ میں کلاس روم میں بیٹھوں اور لیکچر سنوں۔ میں استاد کا رہین منت نہیں ہوں۔ اساتذہ بھی ماحول کی پیداوار ہیں۔ اکثر اساتذہ اور یہ بیں معذرت چاہتے ہوئے کہتا ہوں۔ اس کا میں علم محض اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ وہ کسب معاش کر سکیں۔ حصولِ علم کے لئے ایک لگن، ایک طلب، ایک پیاس جو ایک طالب علم کے لئے ہونی چاہیئے، اساتذہ میں بھی نہیں ہے۔ جب علم محض کسب معاش کی خاطر حاصل کی جائے تو وہ ہڈیوں میں رچتا نہیں ہے علم بڑا ہی غیور واقع ہوا ہے وہ ان لوگوں کے سینوں کو کبھی اپنا نشیمن نہیں بناتا جو غیر کی خاطر اس سے رسم و راہ رکھتے ہیں۔ جب استاد محض کسب معاش کے لئے پڑھتا ہے تو اسے اپنے مضمون پر دسترس نہیں ہوتی۔ اور جب مضمون پر دسترس نہ ہو تو وہ مجبور ہوتا ہے کہ لبادے اوڑھے علم و فضیلت کے لبادے کہ کہیں اس کے علمی بدن کے برص کے داغوں پر شاگردوں کی نظر نہ پڑے۔ وہ انہیں فاصلے پر رکھتا ہے۔ طالب سوال پوچھتے ہیں۔ استاد انہیں دباتا ہے۔ SNUB کرتا ہے اور رعب جماتا ہے ؎

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر   کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

جب استاد شاگردوں کو دباتا ہے تو گو ان کی زبانیں چپ ہوتی ہیں مگر ان کے چہرے صاف بول رہے ہوتے ہیں کہ یہ آپ کے لئے زیبا نہ تھا اور ان کے جی میں استاد کے لئے محبت و تعظیم باقی نہیں رہتی۔ تو شاگرد یہ سمجھتا ہے کہ میں نے فیس ادا کی ہے اور یہ BUSINESS TRANSACTION ہے اور میں استاد کا رہین منت نہیں ہوں اور استاد یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اتنی تنخواہ کے عوض اتنے گھنٹے کا کام کرنا ہے اور معین مدت کے ختم ہو جانے کے بعد طالب علموں

کا مجھ پر کوئی حق باقی نہیں رہتا ؎

کچھ وہ کھچے کھچے رہے کچھ ہم تنے تنے
اس کش مکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

یوں یہ رشتہ کاروباری سطح پر آنے کی وجہ سے اپنی تمام جاذبیتیں کھو بیٹھتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :۔

مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا

جو چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

طالب علموں کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ اساتذہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اور لفظ " فیض " میں دانستہ طور پر بول رہا ہوں۔ اساتذہ ان کو ذہنی پرورش کرتے ہیں۔ وہ ان کے محسن ہیں اور نجابت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے محسن کے سامنے انسان کی نگاہیں جھکی رہیں۔ انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ جس شخص سے انسان فیض حاصل کرتا ہو۔ اس کے گریبان میں ہاتھ نہ ڈالے۔ اور استاد کا یہ سمجھنا کہ ان معین گھنٹوں کے بعد شاگرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ میرے دروازے پر دستک دے، صریحاً غیر اسلامی ہے۔ شاگرد ان کی معنوی اولاد ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شاگرد اپنی طالب علمانہ زندگی ہی نہیں بلکہ عمر بھر یہ حق رکھتا ہے کہ جب کبھی اسے کوئی الجھن پیش آئے وہ استاد کے دروازے پر دستک دے۔ اور اس سے مشورہ چاہے۔ اور استاد کا یہ فرض ہے کہ یوں تپاک اور گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کرے، جیسے اپنی اولاد آگئی ہو۔ اور اس کے مسائل سلجھانے کی کوشش کرے۔

آدابِ مجلس | استاد کی مجلس میں جو آداب شاگردوں کو ملحوظ رکھنے چاہئیں وہ آداب بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے تعلق کے یہاں اور کئی پہلو تھے ان میں استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی تھا۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

یعنی حضورؐ کتاب اور حکمت کی انہیں تعلیم دیتے ہیں۔ وہ ان کے معلّم ہیں۔

یہ سمجھنا کہ مجلس نبویؐ کے جو آداب قرآن مجید میں مذکور ہیں ان اداب کا تعلق محض مجلس نبویؐ ہی سے تھا اور اب جب کہ وہ مجلس باقی نہیں رہی۔ وہ تمام آیات جو ان آداب سے متعلق ہیں معطل ہو گئی ہیں۔ اور ان کی افادیت ختم ہو گئی ہے۔ یہ سوچنا بڑی ہی خام کاری اور ناپختگی کی بات ہے۔ بس ایک مسلمان طالب کو اپنے استاد کے ساتھ برتاؤ کا ڈھنگ بھی مجلس نبویؐ سے سیکھنا چاہئے۔ اس استاد اکبرؐ سے بات کرنے کا سلیقہ قرآن مجید نے یوں سکھایا ہے

لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

تم اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے اونچا مت ہونے دو اور ان سے یوں زور زور سے باتیں مت کیا کرو جیسے تم آپس میں کیا کرتے ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے تفہیمات میں لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے استاد کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنا صریحاً زیادتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے:۔

اَنَا عَبدُ مَن عَلَّمَنِی حَرفاً وَاحِداً جس سے میں نے ایک حرف بھی سیکھا ہے وہ میرا محسن ہے۔ میں نے اس سے فیض حاصل کیا ہے۔

آپ کہیں گے کہ تم اس نئے دور میں بہت پرانی باتیں کر رہے ہو۔ میں یہ کہتا ہوں کہ آج سے ہزار برس پہلے اگر آگ جلاتی تھی تو آج بھی اس سے جسم جلتا ہے اور اگر زہر آج سے کئی برس پہلے قاتل تھا تو وہ آج بھی ویسا ہی ہلاکت آفریں ہے بالکل اسی طرح بعض اخلاقی اور روحانی قدریں ایسی ہیں جو زمان و مکان کے اختلاف بدل نہیں سکتیں۔ اور زمانے کی ملبان گو کتنی آگے کو بڑھ جائے استاد کے ساتھ ناشائستگی کو تو کبھی قابل تحسین قرار نہیں دیا جا سکتا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بے مروتی اور بدلحاظی کا نام تو تجدد پسندی نہیں ہے۔ اقبال علیہ الرحمۃ نے بجا کہا تھا

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک　　دلیل کم نظری، قصۂ جدید و قدیم

شفقت و تعظیم باہم ملزوم (RECIPROCAL) ہیں کبھی تعظیم سے شفقت پیدا ہوتی ہے اور کبھی شفقت تعظیم کو جنم دیتی ہے اور شفقت وہ چیز ہے کہ اس سے برف کی سلوں کو تو میں نے اپنی آنکھوں سے پگھلتے دیکھا ہے۔

کچھ شفقت میں بھی کمی آگئی ہے۔ اساتذہ کو یہ دیکھا ہے کہ طالب علم کے سلام کا جواب بڑی نیم دلی سے دیتے ہیں اور بعض تو محض سر جھٹکتے ہیں۔ اور زبان سے دو حرف کہنا بھی انہیں گراں گذرتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔

فَاِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِاَحسَنَ مِنهَا اَو رُدُّوهَا۔

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے زیادہ تپاک اور گرم جوشی سے جواب دو یا (کم از کم) ویسا ہی سلام لوٹا دو۔

اسلامی تہذیب میں تو طالب علموں کی تربیت کے لئے سلام میں خود پہل کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ بلکہ عین سنت ہے۔ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہم نے حدیث میں پڑھا ہے:۔

کان یسلم علی الصبیان - وہ بچوں کو خود سلام کرتے تھے۔

ہماری درسگاہوں میں طالب علم استاد کے کمرے میں جائیں تو وہ کھڑے رہتے ہیں اور بالعموم انہیں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ یہ سب فرنگیوں کا اڑایا ہوا غبار ہے ؎

دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی

یہ سب مغربی تہذیب کے برگ و بار ہیں۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شاگردوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اساتذہ کے پاس بیٹھیں۔ بات یہ ہے کہ جب استاد شاگرد میں انس و موافقت نہ ہو صحیح طور پر استفادہ نہیں ہو سکتا۔

(باقی صد ۳۹ پر)